افادات: شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ
ضبط و ترتیب: مولانا شیر بہادر حقانی شریک دورۂ حدیث

دینی مدارس کا تاریخی پس منظر

قیام اور استحکام کی ضرورت اور برکات و ثمرات

مورخہ ۲۳ شوال ۱۴۰۸ھ بروز جمعرات دارالعلوم کے نئے تعلیمی سال کے افتتاح کے موقع پر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے درس ترمذی سے مختصر افتتاحی تقریر فرمائی، ذیل میں وہی خطاب ٹیپ ریکارڈ سے من و عن نقل کر کے نذر قارئین ہے ——— (ادارہ)

میرے محترم بزرگو! بدقسمتی سے میں بیماری کی وجہ سے جیسا کہ پہلے عادۃ تھی تفصیل سے معروضات پیش کرنے سے قاصر ہوں، تبرکاً آپ حضرات کے تعمیلِ ارشاد کی خاطر حاضر ہوں اور اللہ کریم سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہم سب کو ہمیشہ کے لیے صحت نصیب فرماوے اور تاکہ آپ سب کی خدمت میں اور دین کی خدمت میں اپنا وقت صرف کروں اور یہی میرے لیے موجبِ سعادت ہے اور خدا تعالیٰ کسی کو بھی اس سعادت سے محروم نہ رکھے۔

اس وقت دو باتیں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں ——— سند کا کچھ حصہ تو وہی ہے جو میں نے حضرت شاہ ولی اللہؒ تک بیان کیا اور باقی حصہ ترمذی میں موجود ہے ——— ہر حدیث کی سند میں رواۃ کے اسمائے گرامی مرقوم ہوتے ہیں۔

پہلی بات یہ کہ ہم مدرسہ کو آئے اور دین کی تعلیم و تعلّم پر اپنا قیمتی وقت خرچ کرتے ہیں۔ آپ کو شاید یہ ایک معمولی چیز نظر آئے لیکن حقیقت میں یہ ایک بہت اہم چیز ہے، جس وقت پاکستان بنا تو ہمارے چند مخلص علماء جمع ہوئے اور یہ مشورہ کیا کہ اس پُرفتن دور میں اسلام کے تحفظ کے لیے کونسی راہ اختیار کرنی چاہیئے۔ تو اُن کی رائے یہ تھی کہ ہمارے بزرگوں اور اسلاف نے جو راہ اختیار کی تھی ہمیں بھی وہی راہ

اختیار کرنی چاہیئے۔

اور وہ طریقہ یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی جو ہوئی تھی جس کو جنگِ غدر کے نام سے مشہور کیا گیا جس میں ظاہری فتح اللہ تعالیٰ نے کفاروں کو دی تھی، اللہ تعالیٰ کو کچھ ایسا ہی منظور ہوا کہ اہلِ حق و اہلِ دین علماء کثیر تعداد میں شہید ہوئے، قتل کیے گئے، قید ہوئے اور معدودے چند علماء جو باقی تھے وہ جمع ہوئے اور یہ خیال کیا کہ اب اسلام کی خدمت کس طریقہ پر کرنی چاہیئے! تو ان بزرگوں نے یہ رائے پیش کی کہ ہم کو اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چل کر دینِ اسلام کی خدمت کرنا ہو گی۔

تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اب تو ان لاکھوں کی فوج کے ساتھ مقابلہ مشکل ہے لیکن اب اس کا مقابلہ دوسرے طریقہ سے کرنا چاہیئے، وہ یہ کہ ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی جائے جس میں مجاہدینِ اسلام تیار کیے جائیں، فکری اور نظریاتی اساسات کا تحفظ کیا جائے۔

تو یہ مدرسہ انہوں نے دارالعلوم دیوبند کی شکل میں تجویز کیا لیکن مدرسہ کے لیے طلباء اور اساتذہ کی ضرورت تھی۔ تو اولاً ایک شاگرد اور ایک اُستاد نے یہ کام شروع کیا۔ استاد کا نام بھی محمود تھا اور شاگرد کا نام بھی محمود تھا جو آئندہ کے لیے حضرت شیخ الہندؒ بن گئے، ان دونوں استاد اور شاگرد نے دارالعلوم کا افتتاح مسجد میں ایک انار کے درخت کے سایہ میں کیا، اور یوں ایک عظیم انقلابی پروگرام کی ابتداء دارالعلوم دیوبند کی شکل میں ہوئی۔ اور انہوں نے اعلان کیا کہ ہم ان غریب الدیار مسافر طالبعلموں سے ہمیشہ کے لیے ان باطل قوتوں کا مقابلہ کریں گے۔

اس زمانے کے لوگوں نے جب یہ بات سُنی تو انہوں نے ان کی ہنسی اڑائی اور کہا کہ ان کے دماغ خراب ہیں، اتنی بڑی طاقت سے بھلا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔ ایک طالب العلم اور مُلّا کی کیا مجال ہے کہ اتنی بڑی طاقت کا مقابلہ کر سکے، ان کے ساتھ تمسخر کیا، لیکن علماء اور طلباء نے اپنا کام نہ چھوڑا اور اشاعتِ علم میں ہمہ تن مصروف رہے، تو ایک وقت آیا کہ پاکستان کے ایک صدر جس کا نام مرزا سکندر تھا، یہاں مردان کے ایک گاؤں اتمان زئی آئے تھے تو حاجی محمد امین سمیت چند علماء اس کے پاس آئے اور کہا کہ دین اور اسلام نافذ کریں اللہ نے آپ کو قوت اور حکمرانی عطا کی ہے۔ تو وہ بہت غصہ ہوئے اور اپنی انتظامیہ کو سخت ڈانٹا کہ آپ نے ان علماء کو کیوں میرے پاس آنے کو چھوڑا ہے، ان طلباء کو کیوں چھوڑا ہے، پہلے تو ہم خوش ہو رہے تھے کہ دیوبند ایک مدرسہ ہے اور وہ ہندوستان میں رہ گیا، اب ہر جگہ دیوبندی نظر آتا ہے۔ یہ دیوبندی تو اللہ ہی جانتا ہے کتنے زیادہ ہیں ہمیں تو ان سے چھٹکارا حاصل نہیں ہوتا ہے۔

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ایک وقت تو وہ تھا کہ دار العلوم کے علماء و طلباء کے ساتھ لوگ تمسخر اور ہنسی کیا کرتے تھے۔ اور ٹھیک ہے ظاہر میں ایک عالم اور طالب علم کا اتنی بڑی طاقت سے مقابلہ کرنا ناممکن معلوم ہوتا ہے، لیکن مرزا سکندر جو اس طاقت کا ایک آدمی ہے وہ سر پیٹتا ہے اور کہتا ہے کہ اِن مُلّاؤں سے تو چھٹکارا حاصل نہیں ہوتا ہے۔

موجودہ وقت میں آپ دیکھیں رُوس چیخیں مارتا ہے، واپس بھاگنے کو تیار بیٹھا ہے، یہ بھی علماء اور طلباء سے تنگ ہے اور یہ واضح نظر آرہا ہے۔ پہلے اگر ہم کسی کو یہ بات کہتے تو کوئی نہ سُنتا، لیکن اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ رُوس جیسی بڑی طاقت کا حشر دیکھ لیں، اور ہمارے ان ضعیف، بے سروسامان، بے مال و دولت انہی کو اللہ تعالیٰ فتح نصیب فرماتا ہے، ارشادِ ربانی ہے: ان تنصروا اللہ ینصرکم

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ مدرسہ اور یہ دار العلوم دیوبند بھی تحفظِ دین کے لیے ایک بنیادی اقدام تھا، اور اب بھی اس ملک میں یا دیگر ممالک میں جو دین آپ دیکھ رہے ہیں یہ اُس ایک طالب علم اور استاذ کی کوششوں کا ثمرہ ہے اور انہی کی خدمات ہیں۔ اور آج آپ نے جس مدرسہ میں افتتاح کیا تو آپ یہ نہ کہیں کہ اس سے ہمیں کیا فائدہ ملے گا، اس سے بھی انشاء اللہ وہی فائدہ ملے گا کہ تھوڑی مدت بعد روس جیسی سُپر طاقت آپ سے شکست کھائے گی، اور کہیں گے کہ ان طلباء اور علماء کے ساتھ جنگ کرنا مشکل ہے، اگرچہ وہ خالی ہاتھ ہیں لیکن اللہ کریم ان کی امداد کرتے ہیں۔

تو ایک تو یہ بات ہوئی کہ اس موجودہ وقت میں ہم نے جو یہ کتابیں سامنے رکھی ہیں تو یہ اس زمانے یعنی ۱۸۵۷ء کو توپ اور فوج کے مقابلہ میں آئی تھیں تو آپ بھی خوش رہیں کہ ہم نے جہاد کے لیے ایک عظیم طریقہ اختیار کیا ہے، اور حصولِ علم کا عظیم طریقہ اختیار کیا جو مدرسہ میں پڑھنا ہے اور اس موجودہ دور میں جو دین آپ کو نظر آتا ہے یہ ان مدرسوں کے برکات ہیں تو بہر حال آپ کی یہ افتتاح اور دینی مدرسہ میں تعلیم شروع کرنا نہایت ضروری اور بہت فائدہ مند ہے۔

اور دوسری بات یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ نے اپنے سامنے ترمذی شریف کھولی ہے اور ترمذی شریف ہم نے شروع کر لی ہے تو آپ کے ذہن میں یہ بات آئے گی کہ بخاری شریف، مسلم شریف، نسائی، ابو داؤد اور ترمذی شریف، علمائے دیوبند نے ترمذی شریف کو تو شروع کے لحاظ سے ترجیح دی ہے حالانکہ بخاری اور مسلم کا مرتبہ اس سے زیادہ ہے۔ کیونکہ بخاری اُس راوی سے روایت کرتا ہے جو متفق علیہ فی التعدیل و طویل الملازمۃ مع الشیخ ہو۔ اور مسلم اس راوی سے روایت کرتا ہے کہ متفق علیہ فی التعدیل ہو اگرچہ طویل الملازمۃ مع الشیخ نہ ہو بلکہ

امکان لقاء کافی ہے۔ تو ایک تو وہ طالب علم ہے جس نے استاد کے ساتھ دس سال گذارے ہیں اور ایک وہ طالب علم ہے جس نے ایک سال گذارا ہے تو کون ساقوی ہوگا۔ تو ضرور وہی زیادہ قوی ہوگا جو استاذ کے ساتھ زیادہ مدت رہا ہو، بار بار دورۂ حدیث پڑھا ہو۔ تو معلوم ہوا کہ بخاری کا مرتبہ مسلم سے بھی آگے ہے۔ پھر ابوداؤد اور نسائی میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ تیسرا مرتبہ نسائی کا ہے کیونکہ نسائی کی شرط یہ ہے کہ شیخ مختلف علیہ فی التعدیل ہو اور طویل الملازمہ مع الشیخ ہو۔ اور بعض کہتے ہیں کہ تیسرا مرتبہ ابوداؤد کا ہے، اور ابوداؤ کی شرط یہ ہے کہ شیخ متفق علیہ فی التعدیل ہو یا نہ ہو امکان اللقاء بھی ضروری نہیں ہے۔ اور ترمذی اُس راوی سے روایت کرتا ہے جو متفق علیہ فی التعدیل ہو یا مختلف علیہ فی التعدیل اور امکان اللقاء بھی ضروری نہیں ہے۔

تو یہ ترمذی صحاح ستہ میں پانچویں مرتبہ میں ہے، البتہ اس ترمذی میں چودہ پندرہ علوم ہیں جیسا وہ کہتے ہیں حدیث حسن، غریب وغیرہ، اور راوی کے قوۃ اور ضعف کی نشاندہی کرتے ہیں اور روایت کا درجہ بیان کرتے ہیں۔

تو چونکہ اس میں چودہ پندرہ علوم ہیں، طلباء کو اس میں زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ تو جو ترمذی پڑھتے ہیں تو وہ چودہ پندرہ علوم بیک وقت پڑھتے ہیں ــــ تو ہمارے اساتذہ اور بزرگانِ دیوبند تدریس کے لحاظ سے اس ترمذی کو ترجیح دیتے ہیں۔ تو ہم بھی ان کی تقلید میں افتتاح ترمذی شریف سے کرتے ہیں، اگرچہ مرتبہ کے لحاظ سے پہلے بخاری پھر مسلم پھر نسائی اور ابوداؤد کا ہے، ترمذی کا مرتبہ ان سب سے پیچھے ہے۔

آخر میں مَیں یہ عرض کروں گا کہ یہ دارالعلوم علماء، طلباء، مخلصین ومحبین، معاونین، عامۃ المسلمین نے چلایا ہے اور اس کی بنیاد بزرگوں نے انگریز اور اس کے نظام کے مقابلہ کی خاطر رکھی ہے۔ اور آج ہم کو معلوم ہے کہ بزرگوں کے نیک مشورہ کی برکت سے جو جہاد کا سلسلہ چل رہا ہے یہ سارا اس مدرسہ کی برکت ہے اور اسی کی خدمات ہیں، اللہ قبول کرے۔

میرے محترم بزرگو! تبرک حاصل کرنے کی غرض سے مَیں نے افتتاح کیا، میں بہت ضعیف ہو چکا ہوں آپ میرے لیے دُعا کریں مَیں آپ کے لیے دُعا کرتا رہوں گا ــــ اس کے طلباء اور اساتذہ بڑے مخلص ہیں، جن کی دین کے سوا کوئی غرض نہیں ہے۔ اور اس کے مخلص معاونین جن میں بہت سے ایسے بھی ہیں جو محنت ومزدوری کر کے اپنے لیے دو وقت کا کھانا پیدا کر سکتے ہیں اور پھر ایک وقت کے لیے اپنے آپ کو بھوکا رکھ کر دارالعلوم میں چندہ دیتے ہیں

(بقیہ صـ۱۹ پر)